Al-Qawārīr - Vol: 02, Issue: 04,
July – Sep 2021

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

مغلیہ دور میں تعلیمِ نسواں کا اجمالی جائزہ

An overview of Women Education in Mughal Empire

Ainee Rubab*
lecturer islamic studies department of humanities,
pir mehr ali shah arid agriculture university Rawalpindi

Nargis Munir **
Lecturer dept of Islamic Studies, Women University Mardan.

Version of Record
Received: 06-July-21 **Accepted**: 07-Sep-21
Online/Print: 20-Sep-2021

ABSTRACT

Education is essential for the development of any society. Therefore, from the very beginning, Islam has given equal emphasis to both men and women for acquiring knowledge. The virtue of Islam is that it emphasizes the acquisition of knowledge more than any other religion, and gave a dignified place to a woman who was despised in society. Just as Islam honored women, it also gave them full educational rights. The Holy Prophet (PBUH) has laid down principles for the religious education and training of women. The women have played a vital role for the establishment of said rules by the Holy Prophet (PBUH) for the betterment of the society. In every era capable women have been born who have amazed the whole world with their knowledge and art.

Although there is not any example of formal education institutes for women since the beginning of Islam till the Mughal era, in spite of this the practice of women's education continued informally. .In India the Mughal Rulers played significant role in the fields of civilization, culture and various science and arts, in which the participation of Muslim women are also prominent. Equipped with high education and training, the Mughal women took over the government and performed

significant role in the political and military arenas. Ignoring the intellectual and social activities of these women is like erasing a bright chapter of history from the face of the earth.
In this article, a major objection to Islam that it has kept women away from the field of knowledge has been categorically denied and an attempt has been made to clarify the scholarly activities in the field of education and utilization of Muslim women.
***Key words**: Women education, Mughal era, role of women, objections on Islam*

حضور ﷺ عورتوں کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے ان تعلیمات کو امت کی عورتوں تک پہنچانے ، عورتوںکو وہ مسائل سمجھانے اوران پر عمل کر کے دکھانے کے لئے آپ کوایسی خواتین کی ضرورت تھی جوفریضہ رسالت کی تبلیغ کے لئے مخلص کارکنوں کی حیثیت سے کام کر سکتیں۔یہ کام صرف ازواج مطہرات ہی کر سکتی تھیں۔اسی ضرورت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی اورانہیں اس قابل بنایا کہ وہ نہ صرف خواتین بلکہ مردوں کی بھی تعلیم وتربیت کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ازواج مطہرات کو تاکید کی گئی کہ رسول اللہ سے انہیں جو دینی علم براہ راست حاصل ہوا ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں اوراس میں کوتاہی نہ کریں۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''آپ کی تعلیمی سرگرمیوں میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اہمیت دی گئی۔تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے مبارک دور میں معلّمین کی طرح معلمات کا بھی تقرر ہوتا تھا۔حضرت ام ورقہ، حضرت شفاء بنت عبداللہ،اور حضرت عائشہ کا شمار عہد رسالت کی معلمات میں بجاطور پر کیا جاسکتا ہے''[1]

عہد نبوی میں خواتین کی تعلیم کا کام حضرت عائشہ نے انجام دیااور باقی امہات المومنین نے بھی اسی انداز میں امت کی تعلیم کے فریضہ میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔مسلمان خواتین نبی ﷺ کی مجالس میں اور گھر میں حاضر ہو کر غیر رسمی طور پر رشد وہدایت پاتی تھیں۔ان کا یہ معمول تھا کہ جب ان کو کوئی مسئلہ درپیش آتا توامہات المومنین میں سے کسی کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور اپنا مسئلہ عرض کرتیں ۔انہیں اس مسئلے کا پہلے سے حل معلوم ہوتا تو ان عورتوں کو بتا دیتیں وگرنہ حضور ﷺ سے پوچھ کر سائلہ کو اس مسئلے کا حل سمجھا دیتیں تھیں۔[2]

ازواج مطہرات کا خواتین کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کا اندازہ حضرت عائشہ کی اس روایت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔(رسول اللہ کے زمانہ میں کوئی آیت نازل ہوتی تو ہم اس میں مذکور حلال وحرام اور اوامر ونواہی کو ذہن نشین کر لیتی تھیں اگرچہ اس کے الفاظ ہمیں زبانی یاد نہ بھی ہوتے)۔[3]

ان حقائق کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ازواج مطہرات صرف امہات المومنین ہی نہیں بلکہ وہ ملت کی معلمات بھی ہیں۔ انہوں نے فروغ علم کے میدان میں جو زریں خدمات انجام دیں وہ انتہائی قابل قدر ہیں۔

عہد نبوی کے بعد دیگر ادوار میں بھی مسلم خواتین کی تعلیم کے لیے اقدامات کیے گئے جس کے نتیجے میں مسلم خواتین نے علم وادب اور فکر وآگہی کے ارتقاء واستحکام میں قرون اولی کی خواتین کے قابل تقلید نمونوں کا اتباع کیا اور مختلف النوع، سماجی، تہذیبی، تعلیمی، تاریخی اور ادبی میادین میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں

ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلے سے پہلے اگرچہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا لیکن اس کی اجارہ داری برہمن، ویش اور دوسری اونچی ذاتوں میں موروثی بن چکی تھی۔ شودروں کے لئے تعلیم ممنوع تھی اور وید کا سننا تو انتہائی قابل تعزیر جرم تھا۔ عورتوں کے لئے خواہ وہ کسی ذات سے تعلق رکھتی ہوں بلا استثناء تعلیم کی ممانعت تھی لیکن جب مسلمانوں نے اس ملک میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو ساتھ ہی ساتھ اشاعت علم کے لیے مدارس قائم کئے۔اور پھر رفتہ رفتہ ہر زمانے میں مزید ترقی ہوتی گئی۔ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری میں جب ہندوستان کا سفر کیا تھا تو اس نے اپنے سفر نامہ میں جنوبی ہند کے ساحل پر ایک اسلامی ریاست (ہنور) میں لڑکیوں کے تیرہ مدرسوں کا تذکرہ کیا ہے اور وہاں کی عورتوں کی یہ خصوصیت ظاہر کی کہ وہ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔[4] ہندوستان کے حکمران خاندانوں میں سلطان غیاث الدین کی حرم سرا میں پندرہ ہزار عورتیں تھیں جن میں استانیاں، واعظات، مغنیہ اور ہر قسم کا پیشہ وغیرہ جاننے والیاں تھیں۔استانیوں کا حرم سرا میں موجود ہونا صاف طور سے ظاہر کرتا ہے کہ محل کی دوسری عورتوں کو تعلیم دی جایا کرتی تھی۔[5]

عہد مغلیہ میں تعلیم کی ترقی

مغلیہ سلطنت1526ء سے 1857ء تک برصغیر پر حکومت کرنے والی ایک مسلم سلطنت تھی۔جس کی بنیاد ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں پہلی جنگ پانی پت میں دہلی سلطنت کے آخری سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر رکھی تھی۔مغلیہ سلطنت اپنے عروج میں پورے برصغیر پر حکومت کرتی تھی۔ہندوستان میں مغلوں کی آمد سے جہاں دیگر اصلاحات نافذ ہوئیں وہیں مسلمانوں کی تعلیم کی تاریخ میں بھی ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ مغلیہ دور کا ہر فرد تعلیم کا زبردست علم بردار اور اہل علم کا بڑا قدر دان رہا ہے۔مغلیہ سلطنت کا دربار علماء کا گہوارہ رہا ہے اور اس کا آغوش سرپرستی تمام ایسے لوگوں کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا جو دور دراز ممالک سے علم حاصل کرنے اس دربار میں آتے تھے۔عہد مغلیہ میں مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اسلامی علوم کے فروغ واشاعت میں بہترین نقش ثبت کیے گئے،علوم اسلامیہ اور دیگر علوم کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں اہم خدمات انجام نہ دی ہوں۔

شاہی کتب خانے

مغلیہ دور میں تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں بھی کارہائے نمایاں سر انجام دیے گئے۔شاہی کتب خانے قائم کیے گئے۔ مشہور مغل حکمران اورنگ زیب کو دینی علوم اور فقہ اسلامی سے حد درجہ شغف تھا۔اس لئے شاہی کتب خانے میں بہت سی اہم کتابیں دینیات، فقہ اسلامی اور دوسرے علوم پر اس کے حکم سے جمع کی گئیں۔ مشہور ''فتاویٰ عالمگیری'' جو فقہ اسلامی پر بڑی مستند کتاب ہے اور آج مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلہ کے لئے اس کا وجود ناگزیر ہے۔ علماء اور فقہاء کی ایک جماعت نے خاص اہتمام سے اسے تیار کیا اور اسے شاہی کتب خانے میں رکھا گیا۔[6]

تعلیم نسواں میں مغلیہ دور کا کردار

مغلیہ سلاطین رزم اور بزم دونوں میں یکتائے روزگار تھے وہ جس درجہ کے فاتح وکشور کشا تھے اسی درجہ کے علم دوست اور ادب نواز تھے انہوں نے جہاں دیگر میادین میں بے شمار کارنامے سر انجام دیئے جیسے مصوری، خطاطی، تعمیر، موسیقی، ادب وہاں علمی و فکری اور سماجی روایت کو بھی فعال اور متحرک رکھا۔ وہ اس قدر تہذیب یافتہ تھے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی ذہنی تربیت کا پورا خیال رکھتے تھے۔اسی لیے انہوں نے اپنی مملکت کے مختلف حصوں میں مدرسے کھولے، کتب خانے قائم کیے اور علمی خدمات کی سرپرستی کی۔ اس ضمن میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی بھرپور تحریک وترغیب کا مظاہرہ کیا بالخصوص شاہی خاندان سے وابستہ خواتین نے علمی و سماجی میدان میں مثبت رجحانات کو فروغ دیا۔ وہ نہایت علم دوست، ادب پرور شاعرہ اور ادیبہ تھیں۔ان میں سے کئی تو صاحب دیوان شاعرہ بھی تھیں۔ اور کئی اعلیٰ درجہ کی مؤرخہ تھیں۔ انہوں نے علمی، روحانی اور سماجی ترقی کے میدان میں شاندار کردار ادا کیا۔

مغلیہ عہد میں عورتوں کی تعلیم، جو کہ اس زمانہ میں رائج کی گئی تھی اس پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسے چند حصوں میں تقسیم کیا جائے، پہلا حصہ خواتین کی تعلیم سے متعلقہ رسوم ورواج سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جہاں براہ راست مواد ملتا ہے اور وہ لڑکیوں کے ان مدارس سے متعلق ہے جو اس زمانہ میں قائم تھے۔اور تیسرے حصے میں مغل شاہی خاندان سے وابستہ چند خواتین شامل ہیں جو اپنے علم وفضل اور تعلیم نسواں کے حوالے سے کی گئی کاوشوں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں نمایاں شہرت رکھتی ہیں۔

خواتین کی تعلیم سے متعلقہ رسوم ورواج

اس زمانے میں لڑکیوں کے باقاعدہ مکتب ہوتے تھے اور جب لڑکی باقاعدہ مکتب میں جانا شروع کرتی تو ایک عام رسم ''عیدی'' کی ادا کی جاتی تھی اور وہ اس طرح کہ عید کے موقع پر لڑکی کو کچھ عیدی اشعار یا دعائیہ کلمات ایک رنگین کاغذ پر لکھ کر جسے ''زر فشانی'' کہتے تھے، پیش کیے جاتے تھے۔اس وقت وہ ''زر فشانی اپنے والدین کو پڑھ کر سناتی اور اس پر وہ، اس کے استاد کو اعزاز واکرام سے نوازتے۔ اسی کو مکتب کی رسم بھی کہتے تھے۔اس کے علاوہ جب کوئی لڑکی کسی نئی کتاب کا درس شروع کرتی تو والدین اس کے اتالیق کو نقدی اور تحائف بھی بھیجا کرتے تھے۔لڑکی کے ختم قرآن پر جو بذات خود ایک بڑی بیش قیمت تعلیم تھی، استاد کو تحائف سے نوازا جاتا اور ایسے

موقعوں پر مکتب میں نصف یوم کی چھٹی بھی کر دی جاتی تھی۔[7] مسلم بیوائیں لڑکیوں کو مذہبی تعلیم دینا یا قرآن پاک پڑھانا ایک مقدس فریضہ سمجھتی تھیں۔ بہت سے مدرسے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اکثر لوگوں کے گھروں پر ہوا کرتے تھے۔

یہ رسومات مغلیہ حکومت تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کا رواج دیگر علاقوں اور جنوبی ہند میں بھی موجود تھا۔

عہد مغلیہ میں خواتین کے تعلیمی مراکز اور نصاب تعلیم

عہد مغلیہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے مختلف سطح پر انتظامات کئے گئے۔ تعلیم کا نصاب اس طرح ترتیب دیا گیا کہ طلباء اپنے مخصوص مقاصد اور میلانات کے مطابق تعلیم حاصل کر سکیں۔ کوئی چیز ان پر زبردستی تھوپی نہیں جاتی تھی۔ بلکہ صاف طور پر یہ بات واضح تھی کہ کسی کو ان باتوں کو نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں ہوگی جو زمانہ حال کا تقاضا ہوتا، یہ ایک ایسا کلمہ تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کا عملی پہلو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ مختلف علوم و فنون جو داخل نصاب تھے، ان کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

اخلاقیات، علم الحساب، فن زراعت، علم الہندسہ، علم المساحت، علم رمل، معاشیات طبیعات، فلسفہ و حکمت، منطق، ریاضیات اور تاریخ[8]

گویا تعلیمی مراکز و مجالس کی درج ذیل شکلیں تھیں جن میں مرد و زن کی تخصیص کیے بنا تعلیم دی جاتی تھی۔

1۔ مکتب اور مدرسے 2۔ مساجد اور خانقاہیں 3۔ نجی طور پر گھروں میں

مکتب اور مدرسے

عہد مغلیہ کے روشن خیال اور مہذب فرماں روا جو خواہ مرکزی سلطنت سے تعلق رکھتے ہوں یا صوبوں سے وہ تعلیم نسواں کے بہت بڑے حامی اور علم بردار رہے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں نے عام لوگوں کی تعلیم کی لیے بہت سے مدارس قائم کیے۔ یہ مدارس بادشاہوں کے علاوہ مختلف لوگوں نے بھی نجی طور پر جاری کیے تھے۔ ان مدارس کے اخراجات کے لیے مختلف اوقاف جاری کیے گئے تھے کہ مدارس کو چلانے، اساتذہ اور طلبہ کے اخراجات میں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ مدارس کسی خاص طبقہ یا مذہب کے نہیں تھے بلکہ اس کے دروازے ہر طبقہ اور مذہب کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ مغلیہ حکمرانوں نے اپنے حدود سلطنت میں لڑکیوں کے لئے بھی مدرسے قائم کیے اور ان کی ترقی و بہبود کے لئے ہر طرح کی کوششیں کیں۔ ان کے محل سرا میں معلمات موجود ہوتی تھیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حرم سرا کی دوسری خواتین کو پڑھاتی بھی ہوں گی۔ مغل حکمران اپنی رعایا میں عورتوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اکبر اعظم کے عہد میں حرم شاہی کی خواتین کو باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی جن کی تعداد پانچ ہزار سے کم نہ تھی۔ شہنشاہ اکبر کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے اپنے فتح پور سیکری کے محل میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ اس مدرسے کی دیواروں پر خوش رنگ گلکاریاں، کمروں میں خوبصورت الماریاں، طاق، کتابیں اور قلم دان رکھنے کے واسطے بنائے گئے تھے جہاں محل کی تمام عورتوں کو باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔[9] فتح پور سیکری تعلیم کا بنیادی مرکز بن گیا تھا یہیں اکبر نے اپنی حکومت کی راج دھانی بنوائی تھی اس سے بادشاہوں کی عورتوں کی تعلیم سے دلچسپی کا بین ثبوت ملتا ہے۔

مساجد اور خانقاہیں

مغلیہ حکمرانوں نے اپنے عہد میں تعلیم کے فروغ کے لئے بہت کام کیا۔اس وقت کی مسجدوں میں ''مکتب'' کا انتظام ہوتا تھا۔جس میں لڑکے اور لڑکیاں ابتدائی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بابر کے دور میں ایک محکمہ خاص اسی کام کے لئے تھا جو تعلیمی مدارس کی تعمیر کرواتا تھا۔ شاہی بیگمات نے بھی خواتین کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کیے جن میں شہنشاہ اکبر کی رضائی والدہ ماہم انگہ کا مدرسہ ''خیر المنازل'' قابل ذکر ہے۔اس مدرسہ کے ساتھ طلباء کے لئے ایک بہت حسین مسجد بھی تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد جس فیاضی اور فراخدلی سے طلباء کے لئے بنائی گئی تھی وہ ماہم بیگم کی تعلیمی و دینی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے۔[10] مغلیہ شہزادیوں نے بڑی بڑی عالی شان مساجد تعمیر کروائیں اور ان کے ساتھ مدارس بھی قائم کئے۔ دہلی میں مسجد ''اکبر آبادی'' اعزاز النساء کی یادگار تھی جو شاہجہاں کی بیگم تھی اور اکبر آبادی محل کے نام سے مشہور تھی۔اس مسجد کے گرد طلباء کے حجرے اور مکانات تھے۔[11]

خانگی تعلیم کا نظام

مغلیہ خاندان میں دستور تھا کہ ہر لڑکی کو بطور فرض قرآن اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے بعد دیگر علوم پڑھائے جاتے تھے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ مدرسے تھے۔ لیکن عام طور پر ان کی تعلیم یا تو خود ان کے گھروں پر ہوتی یا استادوں کے گھروں پر جو قریب ہی رہتے تھے۔ بعض اوقات بڑی عمر کے علماء بھی جن کا تقوی مسلم ہوتا یا پڑھی لکھی لائق خواتین اور معلمات اس کام کے لیے مقرر کی جاتیں تھیں جو لڑکیوں کو ان کی ضروریات کے مطابق تعلیم دیتی تھیں۔لڑکیوں کو اپنے گھروں میں اخلاقی ، علمی اور عملی تعلیم ملتی تھی جو آج انہیں ان سکولوں میں دی جاتی ہے جو ان کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا تھا کہ ان میں ایسے جذبات پیدا ہوں گے جس کی وجہ سے وہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تہی داماں ہو جائیں۔ خانگی تعلیمی نظام کا ذکر امپیریل گزیٹیر آف انڈیا میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

> ''ابتدائی جماعتیں ان مدرسوں میں ہوتیں جو مسجدوں کے ساتھ ملحق ہوتے لیکن عام تعلیم حسب معمول گھروں پر ہوتی تھی صاحب استطاعت گھرانے اکثر کوئی استاد رکھ لیتے تھے جو ان کے بچوں کو پڑھنا ، لکھنا اور حساب سکھاتا تھا۔ فارسی زبان ذریعہ تعلیم ہوتی تھی۔خطوط نویسی اور خوش نویسی اس تعلیم کے سب سے بڑے کمالات میں شمار کیے جاتے تھے۔ بچے لکڑی کی تختیوں پر لکھتے جو لکھنے کے بعد دھو دی جاتی تھیں۔۔کم استطاعت پڑوسیوں کو اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو ان صاحب استطاعت گھروں پر پڑھنے کے لیے بھیج سکتے تھے جو بعض اوقات مکتب یا مدرسے کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ یہ مدرسے '' خانگی مکتب '' کہے جاتے تھے[12]

صنعتی تعلیم کا خانگی نظام

مغلیہ دور میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے خانگی مکتب کے علاوہ صنعتی تعلیم کے خانگی نظام کا بھی معقول انتظام کیا گیا تھا۔جو لوگ کوئی فن یا دستکاری سیکھنا چاہتے وہ اپنی پسند کے استادوں کے گھروں پر جاتے جو اس فن یا دستکاری میں ماہر ہوتے تھے۔ لیکن دستکاری کی

مہارت زیادہ تر خاندانی ہوتی تھی، باپ اپنے بیٹوں کا استاد ہوتا تھا اور ماں اپنی بیٹیوں کی،اس طرح دستکاریوں کی بالعموم تعلیم ہوتی تھی۔[13]

مغلیہ عہد کی تعلیم یافتہ خواتین اور تعلیم نسواں میں ان کا مثبت کردار

مغلیہ عہد میں عوام کی تعلیم کے لئے مدارس کھولے گئے اور شاہی خاندان کے شہزادوں اور شہزادیوں کی تعلیم وتربیت کا بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ان کے لئے قابل ترین معلم مقرر کئے جاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ شہزادیوں کی کنیزیں تک دماغی نشوونما کی اعلیٰ منازل تک پہنچ گئی تھیں۔شہزادوں اور شہزادیوں کو اخلاقی و ذہنی تعلیم کے علاوہ فنون جنگ سے بھی مزین کیا جاتا تھا۔شاہی خاندان کی خواتین میں سے گلبدن بیگم، گل رخ بیگم، نور جہاں بیگم، جہاں آراء بیگم، زیب النساء بیگم وغیرہ تعلیم و تربیت، قابلیت، لیاقت، ذہانت حاضر جوابی، شاعری کے لحاظ سے مشہور تھیں۔۔ان خواتین نے اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو کر علمی خدمات سر انجام دیں انہوں نے بہت سے مکتب اور مدارس قائم کیے اور علماء کی سرپرستی کی۔ذیل میں مغلیہ خاندان کی انہیں لائق اور فاضل خواتین کا علمی ذوق اور تعلیم نسواں کے لئے مثبت کردار کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

گل رخ بیگم: بابر کی یہ بیٹی بیگم صالحہ سلطان کے بطن سے تھی، گل رخ کو دانش و بصیرت اور علم و فضل کے اعتبار سے اپنی ہم عصر خواتین میں نمایاں مقام حاصل تھا۔وہ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتی تھی۔اس کی شادی ایک صوفی بزرگ مرزا نورالدین محمد کے ساتھ ہوئی۔ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دارالمصنّفین) میں شہزادی کا نام شعراء کی فہرست میں درج ہے اور ساتھ ہی یہ شعر نقل کیا گیا ہے:

ہیچ کہ آں شوخ گل رخسار بے اغیار نیست　　　راست بودست آنکہ در عالم گل بے خار نیست[14]

ماہم آنگہ: اکبر کی رضاعی ماں ماہم آنگہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی۔وہ ان لوگوں میں سے تھی جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔اس غرض سے انہوں نے اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ کیا۔ تعلیم و فضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی میں ایک مدرسہ ''خیر المنازل'' کے نام سے قائم کیا۔اس مدرسہ کے ساتھ ساتھ ایک مسجد تعمیر کروائی اور اسے نہایت اچھے ساز وسامان اور لائق اساتذہ سے آراستہ کرایا۔یہ ایک نہایت شاندار عمارت تھی جو پتھر کے ٹکروں اور اور پلاستر سے بنی ہوئی تھی۔اس پر سرخ پتھروں سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔اس کے اندر مسجد تھی۔مسجد کے سامنے کے رخ رنگین تختیوں اور پتھر میں کٹے ہوئے مختلف رنگوں کے بیل بوٹے بنے تھے۔[15]

نجی کوشش کی یہ پیداوار ایک خاتون ماہر تعلیم کا عظیم کارنامہ تھا۔یہ مسجد جس فیاضی اور فراخدلی سے بنائی تھی وہ ماہم آنگہ کی طلباء کے لئے کی گئی تعلیمی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

گلبدن بیگم: مغلیہ بیگمات اور شہزادیوں میں گلبدن بیگم قابل ذکر ہے۔غریبوں اور ناداروں کی مدد کرنا اور دینی معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا،اس کی طبیعت کا جزو بن چکے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے حین حیات میں بھی ایک نامور خاتون گنی جاتی تھی۔اعلیٰ تعلیم اور

اس پر ذوق قلبی اور مذاق سلیم نے اس کی طبیعت میں وہ جوہر پیدا کیے کہ گلبدن علم الانشاء اور شاعری میں بقائے دوام کا تاج حاصل کر چکی تھی۔ وہ علم دوست اور علم پرور تھی اور عالموں کی بہت قدر کرتی تھی۔ گلبدن بیگم شریعت کی بہت پابند، غریبوں بے کسوں اور لاوارث لڑکیوں کی پرورش میں حصہ لیتی تھی اور ان کی شادیوں کا انتظام کرتی تھی[16] اس کے کلام کا نمایاں جوہر سلاست و روانی ہے فارسی زبان میں اس کی مستقل تصنیف ''ہمایوں نامہ'' ہے اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں بابر اور دوسرے حصے میں ہمایوں کے حالات ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے طرز انشاء میں بہترین کتاب ہے اور اپنے عہد کی تاریخ، معاشرتی و تمدنی حالات و واقعات کے لئے ایک قیمتی ماخذ ہے۔ یہ کتاب دراصل اکبر بادشاہ کے حکم سے اکبر نامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت بابر اور ہمایوں کے عہد سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے گلبدن نے لکھی تھی۔[17]

گلبدن بیگم نے اپنی کتاب میں اس عہد کے تمدن، سیاست، معیشت اور خانگی زندگی کے متعلق تفصیل بیان کی ہے اور ثقافتی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کی تفصیل دی ہے کہ عورتیں نہ صرف گھریلو تفریحات میں حصہ لیتی تھیں بلکہ گھڑ سواری بھی کرتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، شکار کی مہم پر جاتی تھیں اور جنگی مہمات میں بادشاہ کے ہمراہ ہوتی تھیں۔[18]

اس کتاب کی مغل تاریخ نویسی میں یہ اہمیت ہے کہ یہ ایک شہزادی کی لکھی ہوئی تاریخ ہے۔ جس نے واقعات کا خود سے مشاہدہ کیا ہے جو تاریخ کو عورتوں کی نظر سے دیکھتی اور بیان کرتی ہے یہی اس کی اہم خصوصیت ہے۔

حمیدہ بانو بیگم: حمیدہ بانو بیگم شیخ علی اکبر کی دختر اور ہمایوں کی بیگم تھی۔ حمیدہ بانو بیگم کا خاندان علم وادب کی دنیا میں معروف تھا۔ اس لئے اس نے جب ہوش سنبھالا تو اس کے گردوپیش علم وادب کے چرچے تھے۔ جب اس کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کی ذہانت کی وجہ سے خاندان والوں نے اس کی تعلیم میں خاص دلچسپی لی۔ اس کی زندگی سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت کو مذہب سے خاص شغف تھا۔ اس کا مشغلہ تصنیف وتالیف، کتب بینی یا گھڑ سواری تھا۔ اس نے دو کتابیں بڑی محنت اور جاں کاہی سے لکھیں۔ ایک کتاب کا نام ''ترکی خواتین'' اور دوسری کا نام ''امیر تیمور کی فتوحات ہند'' ہے۔ دونوں کتابیں تاریخی سوانحی کتابوں میں بہترین اضافہ ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اس کے سفری مشاہدات زندگی کے واقعات تاریخی حالات اور کتب بینی کی تحقیقات کا نچوڑ ہیں۔ یہ کتابیں پہلے فرانسیسی زبان میں پھر فرانسیسی زبان سے دوسری زبانوں میں منتقل ہوئیں۔ اور آج بھی تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس نے فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مساجد، مدارس، باغات، سرائیں تعمیر کرائیں۔ دو شفاخانے چار مدرسے، تین مسافر خانے اب تک اس کی یادگار ہیں۔ ایک مسجد بنوائی تھی جس میں ایک مسافر خانہ ایک کتب خانہ اور ایک مدرسہ تھا یہ مسجد بیس لاکھ روپے کی لاگت سے بنی تھی۔[19]

سلیمہ سلطان بیگم: اکبر کی تیسری بیوی سلیمہ سلطان بیگم تھی۔ گل رخ کی بیٹی اور ظہیر الدین بابر کی نواسی تھی۔ ہمایوں کی خواہش پر خانخاناں بیرم خان سے بیاہی گئی، بیرم خان کی وفات کے بعد اکبر بادشاہ نے اس سے شادی کر لی۔ سلیمہ سلطان بیگم برصغیر کی فارسی شاعرہ اور فاضلہ عورت تھی وہ پاکدامن اور مومن عورت تھی۔ چار دفعہ حج کیا۔ شعروشاعری کا ذوق رکھتی تھی اور فخری ہروی کی

ممدوح بھی تھی۔[20] سلیمہ سلطان کی قابلیت کا جہانگیر نے اپنی تزک میں اعتراف کیا ہے کہ عورتوں میں اس درجہ کی قابلیت کم جمع ہوتی ہے۔اسے کتب بینی کا ازحد شوق تھا اور اس شوق کی تکمیل کے لئے اس کے پاس ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں مختلف موضوعات پر بہت سی ضخیم کتابیں تھیں۔[21] تمام مورخین نے بیگم کے اوصاف حمیدہ کے علاوہ شاعری میں اس کی سخن سنجی اور نکتہ فہمی کی تعریف کی ہے اور یہ کہنا بے محل نہیں ہوگا کہ حرم مغلیہ میں تین بیگمات نے مخفی تخلص کیا ہے مگر اولیت کا سہرا سلیمہ سلطان ہی کے سر ہے۔

نور جہاں بیگم: نور جہاں جس کا اصل نام مہر النساء تھا، اعتماد الدولہ بیگ طہرانی کی دختر بلند اختر تھی یہ وہ عظیم خاتون ہے جس نے اپنی ذاتی لیاقت و دانائی کے بل بوتے پر بے پناہ شہرت حاصل کی جو شاید برصغیر کی کسی دوسری ملکہ کو نصیب نہ ہوئی۔برصغیر کی تاریخ میں یہ واحد خاتون ہے جس کے نام کا سکہ چلتا رہا اور سوائے خطبہ کے ،فرمانروائی کے تمام لوازمات اسی کے حکم سے عمل میں آتے تھے۔نور جہاں بیگم حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت میں بھی خوب آراستہ اور بے حد سلیقہ شعار خاتون تھی زیور، وضع قطع اور تزئین و آرائش کی چیزیں جو برصغیر میں مروج ہیں اکثر اسی کی اختراع ہیں مثلا دودامنی، پنج تولیہ، بادلہ، فرش چاندنی، کناری، عطر جہانگیری وغیرہ۔[22] چونکہ شاہی خاندان کی عورتیں حرب سپاہ گری بھی سیکھا کرتی تھیں اور میدان جنگ میں بھی متحرک نظر آتی تھی اسی لئے نور جہاں جہانگیر کے جنگی سفر میں بھی برابر ساتھ رہتی تھی۔ ایک مرتبہ جہانگیر کے لئے اس کو جنگ کی سربراہی بھی کرنا پڑی۔[23] قدرت نے نور جہاں کو علم و ادب کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔وہ ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب و انشاء پرداز اور شاعر کی بیوی تھی۔[24] اس کی خوبیوں میں ایک بڑی خوبی اس کی فی البدیہہ شاعری تھی وہ اپنے شوہر کے زمانہ حیات میں بھی ملک کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھی جو اس کی غیر معمولی ذہانت اور اعلیٰ قابلیت پر دلالت کرتا ہے جن کی بدولت وہ سلطنت کے پیچیدہ مسائل اور ان کے حل کرنے کے قابل تھی۔[25] برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں جو خواتین شہرت عام اور بقائے دوام کی حقدار قرار پائی ہیں ان میں نور جہاں کا نام ہمیشہ ممتاز رہے گا۔

ممتاز محل: یہ شاہ جہاں کی ملکہ تھی۔ ممتاز محل خطاب اور ارجمند بانو نام تھا۔اس کی تعلیم و تربیت بہت اہتمام سے کی گئی تھی۔ وہ تعلیم یافتہ، سلیقہ مند اور ذہانت کا عدیم المثال پیکر تھی۔ وہ شاہ جہاں کی مشیر خاص رہی بادشاہ ہر معاملے میں اس کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ یہاں تک کہ سارے فرمان آخری شکل میں لکھے جانے کے بعد حرم میں بھیج دیئے جاتے تھے اور ممتاز محل اس پر نظر ثانی کر کے اپنے ہاتھوں سے مہر ثبت کیا کرتی تھی۔[26] اس نے نسوانی زندگی کے اکثر شعبوں میں کچھ نہ کچھ اختراعات کیں جو آج بھی تاریخ کے صفحات پر مرقوم ہیں۔ ممتاز محل بہت رحیم اور نرم دل تھی اس کی نرم دلی اور سماجی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے بڑے بڑے سرکشوں کی جان بخشی کروائی اس کی تمام زندگی رحم و کرم، ہمدردی و ایثار اور نرمی و احسان کا ایک شاندار مرقع تھی۔ وہ دانا، معاملہ فہم، سمجھ دار اور دور اندیش خاتون تھی اس لئے وہ شاہجہاں کے لئے دست راست اور زبردست قوت کا باعث ثابت ہوئی۔ محتاج اور نادار لوگ اس کی بارگاہ کا رخ کرتے اور اپنی اپنی مرادیں پاتے تھے۔[27] ممتاز محل اخلاق و عمل کی پاکیزگی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔اس کی تمام زندگی رحم و کرم، ہمدردی و ایثار اور نرمی و احسان کا ایک شاندار مرقع ہے۔

جہاں آراء بیگم : جہاں آراء بیگم شاہ جہاں کی پہلی اولاد تھی۔ ممتاز محل کی وفات کے وقت جہاں آراء چھ یا سات سال کی تھی اس لئے محل کا انتظام ستی النساء خانم کے ذمہ کیا گیا۔ جہاں آراء نے تعلیم ستی النساء سے پائی جو حافظ ہونے کے علاوہ زبان دانی، ادب شناسی ،قراءت اور تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں آراء نہایت سخی اور کریم النفس تھی وہ علوم متداولہ میں پوری طرح ماہر اور فنون لطیفہ سے پوری طرح واقف تھی۔ وہ بے کس ، مفلس و لاچار لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی امداد بھی کرتی تھی۔[28] جہاں آراء کی علم پروری اور اس کے ساتھ مذہب کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔[29] جہاں آراء تعلیم حاصل کر کے مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی '' مونس الارواح '' اس کی مشہور تصنیف ہے۔ اس معروف تصنیف میں شہزادی نے خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے سلسلے کے اکابرین کے حالات بہت ہی عقیدت مندی، ہوشیاری اور بڑے احتیاط سے قلمبند کئے ہیں۔ جہاں آراء بہت اچھی شاعرہ تھی اس کا دیوان بھی تھا جس میں وہ اپنا تخلص مخفی رکھتی تھی۔ جہاں آراء نے دہلی میں دور دراز سے آنے والے تاجروں کے لئے ایک کاروان سرائے بھی بنوائی جس میں 90 حجرے تھے ہر حجرہ کے آگے ایک چبوترہ تھا، جس کا عرض پانچ گز تھا، اس میں دو بڑے بڑے کنویں اور ایک مسجد تھی۔ جہاں آراء نے کئی نادر عمارتیں بنوائیں۔ کشمیر میں ملا بدخشی کی مسجد جس کی تعمیر پر چالیس ہزار روپے صرف ہوئے اور آگرہ کا باغ جواب سید کا باغ کہلاتا ہے وہ بھی اسی کا لگوایا ہوا ہے۔[30]

روشن آراء بیگم : روشن آراء بیگم شاہ جہاں کی پانچویں اولاد تھی۔ اس نے علم طب، علم ادب اور دیگر متداولہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ اس میں وہ تمام محاسن اور خوبیاں موجود تھیں جو مسلمان عورتوں کو دیگر مذاہب کی عورتوں سے مشرف کر سکتی ہیں۔ اخلاق و سیرت کے لحاظ سے بھی وہ اپنے تمام ہمسروں میں ممتاز تھی۔ مروجہ علوم و فنون اور سلیقہ مندی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی روشن آراء اسلامی شعائر کی سختی سے پابندی کرتی تھی۔ دیگر تیموری بیگمات کی طرح اس کے دروازے بھی بیوہ عورتوں اور یتیم بچیوں کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ اس کی جاگیر کی آمدنی اور شاہی انعامات انہیں کی پرورش پر صرف ہوتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت، نماز کی ادائیگی، درود وظائف کی کثرت اور پردے کی پابندی اس کے اخلاق کے نمایاں جوہر ہیں۔[31] روشن آراء نے دہلی میں ایک باغ لگوایا جو دہلی کی مشہور سیر گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اسی باغ میں دفن ہوئی یہ باغ 1653ء میں بنا یعنی اس زمانے میں جب کہ شاہ جہاں نے شہر آباد کر کے سب بیگمات اور امراء کو باغات اور مکانات بنانے کا حکم دیا اس باغ کے درمیان میں مقبرہ ہے اور نہریں ہیں۔[32]

شہزادی روشن آراء اپنے تدبر اور شجاعت کی وجہ سے خاندان مغلیہ کی تاریخ میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے دور عالمگیر کی تاریخ لکھنے والے کبھی اس نام کو فراموش نہیں کر سکتے۔

جاناں بیگم : عبدالرحیم خانخاناں کی بیٹی تھی۔ اس کی شادی جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے بیٹے شہزادہ دانیال سے ہوئی تھی۔ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے آراستہ تھی۔ مکارم اخلاق اور لیاقت علمی کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتی تھی۔ شہزادہ دانیال کی وفات کے بعد باقی زندگی بیوگی میں گزار دی۔ ایک دفعہ جہانگیر بادشاہ نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن اس نے معذرت کر دی۔ ہمیشہ

پاکدامن اور عفت شعار رہی۔ شعر وشاعری کا نہایت عمدہ ذوق رکھتی تھی۔ دین سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل کیا۔ دینی امور سے اس کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس نے فارسی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔[33]

زیب النساء بیگم: ایک ذہین اور عاقلہ شہزادی اورنگ زیب عالمگیر کے محل شاہی میں پیدا ہوئی جس کا نام زبیدہ بیگم رکھا گیا مگر بعد میں زیب النساء مشہور ہوگیا۔ اگرچہ شہنشاہ اورنگ زیب کی اور بیٹیاں بھی خاصی قابل تھیں لیکن یہ عالی دماغ شہزادی بچپن سے ہی بلا کی ذہین تھی جس نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ پھر طبیعت کی روانی، ذہانت کا مادہ، علم کا شوق اور تبادلہ خیالات کی امنگ لئیے اس عالی دماغ شہزادی کو شاعرانہ نکات اور شعر وشناسائی کی طرف راغب کر لیا۔ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ اسے عربی میں بھی خاصی مہارت حاصل تھی[34] عربی اور فارسی کے علاوہ علم الحساب اور علم الہیئت میں اسے خاصی مہارت حاصل تھی۔ طب روحانی میں وہ حاذق کا درجہ رکھتی تھی۔ اس کی عقل و دانش کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے علم ہیئت کے زریعے ثابت کیا تھا کہ جن ذروں یا مادوں سے زمین بنی ہوتی ہے یا جو ذرے یا مادے زمین کی فطرت میں مربوط ہیں وہی آفتاب میں بھی ملے ہوئے ہیں۔ یورپ والوں نے بہت بعد میں اس بات کو تسلیم کیا۔ یہ دینی علوم، عربی و فارسی، فن خطاطی اور تحقیقی امور میں بھی گہری دلچسپی رکھتی تھی۔ زیب النساء اکثر علمی مجالس منعقد کراتی تھی جن میں نظم و نثر، صرف و نحو، ہندسے و نجوم، معانی و بیان، ہیئت و حکمت جیسے موضوعات پر ملک کے فضلاء و علماء جمع ہو کر بحث مباحثے کیا کرتے تھے اور شہزادی چلمن کی آڑ میں بیٹھ کر ان مجالس میں شریک ہوا کرتی تھی اور اپنے عالمانہ دلائل سے لوگوں کو قائل کرتی تھی۔[35] اس کے دست کرم سے بے شمار غریب لڑکیوں، بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے لئے وضائف مقرر تھے، اس نے ایک بیت العلوم قائم کر رکھا تھا جس میں مختلف علوم وفنون کی خدمات حاصل کی گئی تھی جو ہر وقت تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ اس نے سماجی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا اور بہت سے باغات لگوائے، عمارات اور سرائے بنوائیں۔[36]

زینت النساء بیگم: زینت النساء بنت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر 1053ھ میں پیدا ہوئی، دین سے محبت اور شریعت کی پابندی اسے اپنے عظیم باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ ان کا زیادہ تر وقت کلام پاک، احادیث کے مطالعہ اور عبادت میں بسر ہوتا تھا۔ زینت النساء اورنگ زیب کی لڑکیوں میں سے ایک ہونہار، نیک اور دینی علوم کی ماہر خاتون تھی۔ یہ دینی و سماجی سرگرمیوں میں بڑی متحرک تھی۔ زینت النساء بیگم شاعرہ اور معلّمہ تو تھی ہی لیکن اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ حافظ قرآن تھی۔ شہر دہلی میں زینت النساء کی بنائی ہوئی مسجد ان کی سب سے بڑی یادگار ہے، جو ''زینت المساجد'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے شادی نہیں کی اور اپنے جہیز کی رقم کو مسجد کی تعمیر میں استعمال کیا یہ مسجد سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور تینوں برج سنگ مرمر کے ہیں، اس مسجد کے دو مینارے ہیں جو کافی بلند ہیں اور دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اس مسجد کے سات در ہیں۔ ایک بڑا در ہے اور باقی چھوٹے ہیں۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض ہے، اسی مسجد میں زینت النساء کی قبر ہے۔[37]

اورنگ آبادی محل: اورنگ آبادی محل اورنگ زیب کی چوتھی بیوی تھی۔اس کی عقلمندی اور معاملہ فہمی نے اورنگزیب پر اپنا رنگ جما لیا تھا۔اکثر معرکوں میں اورنگ آبادی محل اورنگ زیب کے ساتھ رہی اور وہ اس کی خوبیوں کا معترف رہا۔بیگم کے بطن سے صرف ایک لڑکی مہرالنساء تھی جو بہت ذہین تھی۔بیگم مذہبی خیالات کی خاتون تھی۔اس کی رحم دلی اور سخاوت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔شاہی محل کی بیگمات کو مذہبی مسائل کے درس دینا اور دیگر مسائل کو حل کرنے کے فرائض کو انجام دینا اورنگ آبادی محل کے سپرد تھے۔[38]

مائی لاڈو: مائی لاڈو گیارہویں صدی ہجری میں ایک مالدار اور پرہیزگار خاتون تھی۔ایک روایت کے مطابق یہ جہانگیر کی دایہ تھی اور دوسری روایت کے مطابق یہ شاہجہاں کی دایہ تھی۔اس کے خاوند کا نام محمد اسماعیل تھا،دونوں میاں بیوی عابد وزاہد تھے اور لاہور کے رہنے والے تھے۔مائی لاڈو شیخ سلیم چشتی کی مرید تھی جو اکبر بادشاہ کے مرید تھے۔وہ فریضہ حج بھی ادا کر چکی تھی۔اس نے لاہور کے مدرسہ ''زین خان'' یا'' گزرتلہ '' میں بہت سی حویلیاں بنوائیں اور باغ لگوائے۔ان کے علاوہ ایک شاندار مسجد بنوائی جس کے ساتھ ایک بہت بڑا مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔پھر اپنی جائیداد کا بہت سا حصہ اس مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا۔مدرسے کے صدر مدرس اس دور کے ایک نامور عالم دین مولانا عصمت اللہ تھے۔وہ بڑے عابد وزاہد اور متقی بزرگ تھے۔ان کی کشش دور دور سے طلباء کو کھینچ لائی اور یہ مدرسہ تعلیم دین کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔چونکہ وہ بے اولاد تھی اس لئے اس نے اپنی تمام جائیداد مدرسے کے نام وقف کر دی۔[39]

ملکہ اعزالنساء بیگم: شہاب الدین محمد شاہجہاں فرمانروائے ہند کی ملکہ تھی۔وہ بالعموم ''اکبر آبادی محل'' کے لقب سے مشہور ہے۔بڑی دیندار اور مخیّر خاتون تھی۔دہلی کی اکبر آبادی مسجد اس نے ڈیڑھ لاکھ روپے (آج کل کے دو تین کروڑ روپے) کی لاگت سے تعمیر کرائی۔پھر اس مسجد کے لئے وقف متعین کئے اور حکم دیا کہ وقف جائیداد کی آمدنی مسجد وحمام کی مرمت اور علماء و طلباء کے وظائف پر خرچ کی جائے۔دہلی کے فیض آباد میں مسجد اکبر آبادی آج تک اس نیک خاتون کی علمی و دینی دلچسپی کی یاد تازہ کرتی ہے۔[40]اس عظیم خاتون کی علمی مساعی کو بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

مختصر یہ کہ مغلیہ خواتین نے حدود شریعت میں رہتے ہوئے گوشہ علم و فن سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں حصہ لیا اور اسلامی معاشرے کی فلاح وتعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا۔ان خواتین پر ارباب علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے۔

خلاصہ ونتائج بحث

اسلام نے بلاامتیاز مردوزن تمام مسلمانوں پر علم کا حصول ضروری قرار دیا ہے۔جس طرح مردوں کو علم دین کے حصول اور اس کی نشرواشاعت کی ترغیب دی اسی طرح عورتوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کی تلقین کی ہے۔چونکہ شریعت نے احکامات،عبادات و معاملات میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں رکھی اس لیے خواتین کو تمدنی و معاشرتی حقوق عطا کرنے کے ساتھ تعلیمی حقوق بھی اس کی صنف کا لحاظ رکھتے ہوئے مکمل طور پر دیئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے خواتین کی دینی تعلیم و تربیت اور

اصلاح معاشرہ کے لیے ان کے فرائض کے بارے میں جو رہنما خطوط متعین کیے ان کے زیر اثر پوری اسلامی تاریخ میں خواتین کا کردار پر پہلو سے خاصا روشن رہا ہے۔ خواتین کی تعلیم کا سلسلہ عہد نبوی کے بعد دیگر ادوار میں بھی بتدریج ارتقاء پزیر رہا۔ برصغیر میں عہد مغلیہ میں تہذیب و ثقافت، سماجی بیداری، خواتین کی تحصیل علم اور استفادہ کے میدان میں علمی سرگرمیوں میں وسعت پیدا ہوئی۔ مغلیہ دور کے حکمرانوں نے علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں لازوال نقوش مرتب کیے۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر انتظام حکومت، تدبیر مملکت، اور سیاسی و جنگی خدمات کے میادین میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور تعلیم نسواں کے لئے بھی شاندار خدمات پیش کیں۔ سلاطین کی تعلیمی سرپرستی کے ساتھ ساتھ نجی افراد بھی مغلیہ دور میں تعلیم کا بار اٹھانے میں پیچھے نہیں رہے انہوں نے تعلیم کی ترقی واشاعت میں نمایاں حصہ لیا اور علوم و فنون کے فروغ واشاعت کے لیے جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم کیے جو حکومت کے اخراجات کے علاوہ امراء اور عام لوگوں کے نجی خرچ سے چلتے تھے۔ تعلیم نسواں کے لیے کی گئی کاوشوں میں مغلیہ خواتین کی شمولیت بھی خاصی نمایاں رہی۔ شاہی خاندان سے وابستہ بیگمات اور شہزادیوں نے جملہ دینی علوم میں مہارت حاصل کی وہ دوسرے مروجہ علوم سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ علم دوست، ادب پرور، شاعرہ اور ادیبہ تھیں۔ علمی مجالس میں شامل ہوتی تھیں اور علماء کی ہمت افزائی بھی کرتی تھیں۔ چونکہ وہ علمی و ادبی ذوق سے سرشار تھیں اسی لیے انہوں نے علم و ادب کی خوب خدمت کی۔ انہوں نے اپنے حدود سلطنت میں مدارس اور مساجد تعمیر کروائیں اور مدارس کے ساتھ طلباء کے لیے حجرے اور مکانات بھی بنوائے۔ ان مدارس میں مردوزن کی تخصیص کیے بنا بلا امتیاز تعلیم دی جاتی تھی۔ مغلیہ بیگمات اور شہزادیوں نے خواتین کی تعلیم کے لئے علیحدہ مدارس بھی قائم کیے۔ غریب، بے کس و نادار لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی، ان کے لیے وضائف مقرر کیے اس کے علاوہ جہیز کا بندوبست کر کے ان کے نکاح کے انتظامات بھی کیے۔ شاہی خاندان کی خواتین نے فلاحی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا، بہت سے باغات لگوائے، عمارات اور سرائیں بنوائیں۔ اور اس مقصد کے لئے اپنی ذاتی جائیداد تک وقف کر دی۔ غرضیکہ مغلیہ دور میں مختلف النوع تعلیمی، تاریخی، ادبی، سماجی اور تہذیبی میادین میں نمایاں کام کیا گیا۔ اس پس منظر میں اہل مغرب کا اسلام پر ایک بڑا اعتراض کہ اسلام نے عورتوں کو میدان علم و عمل سے دور رکھا ہے وہ انہیں گھر کی چاردیواری میں قید رکھتا اور معاشرے میں سرگرم کردار ادا کرنے سے روکتا ہے، کی کلی تردید ہوتی ہے اور اسلامی تاریخ کے عہد بہ عہد مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی تاریخ کے تمام ادوار بالخصوص عہد مغلیہ میں خواتین کی تعلیم کا خاصا اہتمام رہا ہے۔ اگرچہ ان کا معیار بہت بلند نہیں تھا پھر بھی مغلیہ دور میں مغل حکمرانوں، شاہی خاندان سے وابستہ بیگمات اور دیگر نجی افراد نے عظیم الشان تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ جیسی بھی ہیں انہیں دیکھا جائے تو وہ اس وقت کے حالات کے تناظر میں حد درجہ مفید کہی جاسکتی ہیں۔ اس بناء پر وہ ہمارے احترام اور تعریف کے مستحق ہیں۔

حواشی، حوالہ جات

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، 1987ء، ص206

[2] غلام عابد خان، عہد نبوی کا نظام تعلیم، زاویہ پبلشرز، 2010ء، ص250

[3] ابن عبد ربہ، العقد الفرید، دار لکتب العلمیہ، الطبعتہ الاولی1404ھ، ج2، ص103

[4] محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم، ادارہ تصنیف و تالیف (اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ)، طبع ثانی، 1961ء ص35

[5] محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم، ص40

[12] ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1980ء، ص77

[7] ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں، ص135

[8] ایضا، ص68

[9] ایضا، ص135

[10] صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، دارالمصنفین معارف اعظم گڑھ، 1981ء، ج3، ص240-241

[11] محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم، ص45

[12] ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں، ص107

[13] ایضا، ص144

[14] صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، 1981ء ج3، ص241

[15] ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں، ص98

[16] محمود علی، مغل شہزادیاں، ایم آر پبلی کیشنز، دہلی، 2000ء، ص36

[17] محمد فائق، ڈاکٹر، مغل شہزادیاں علمی و ادبی خدمات، ڈی ٹی پی کمپوٹرز، پٹنہ، 2006ء، ص20

[18] مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ کی باتیں، تاریخ پبلی کیشنز، لاہور، 2012ء ص139

[19] محمد فائق، ڈاکٹر، مغل شہزادیاں علمی و ادبی خدمات، ص124

[20] سروش اسلام آباد، نومبر، دسمبر، 2005ء، ص27-28

[21] محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم، ص42

[22] علم الدین سالک، دختران ہند، کتاب سرائے پبلشرز، لاہور، 2008ء، ص232

[23] صباح الدین عبد الرحمٰن، مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ یوپی، انڈیا، 2009ء، ص202

[24] صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، 1981ء ج3، ص244

[25] ایس ایم جعفر، مترجم سعید انصاری، تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں، ص137

[26] فضل حق، خواتین ہند کے تاریخی کارنامے، بہار پبلی کیشنز، پٹنہ، 1998ء، ص78

[27] علم الدین سالک، دختران ہند، ص279-288

[28] ۔ محمود علی، مغل شہزادیاں، ص60

[29] صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، 1981ء ج3، ص256،

[30] صباح الدین عبد الرحمٰن، مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، ص185

[31] علم الدین سالک، دختران ہند، ص340

[32] سرسید احمد خان، مرتب خلیق انجم، آثار الصنادید، اردو اکادمی دہلی، 1990ء، ج1، ص350

[33] طالب ہاشمی، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، پین اسلامک پبلشرز، لاہور، 1992ء، ص428

[34] عبد الرحمٰن امرتسری، ہندوستان کی شہزادیاں، بابو گوراندتہ مل کپور پریس، لاہور، ص75

[35] فضل حق، خواتین ہند کے تاریخی کارنامے، ص83

[36] طالب ہاشمی، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، ص468

[37] سرسید احمد خان، مرتب خلیق انجم، آثار الصنادید، ج1، ص354

[38] محمود علی، مغل شہزادیاں، ص، 161

[39] طالب ہاشمی، تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین، ص458

[40] ایضا، ص، 451